

ایک اور ”1+5“ سربراہی اجلاس

تحریر: استاد ہارون عبد الحق

(ترجمہ)

حالیہ دنوں میں، وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ باہمی تعاون کی عکاسی کرنے والے ”1+5“ فارمیٹ کے سربراہی اجلاسوں کا دائرہ کار تیزی سے وسیع ہو رہا ہے۔ اس رجحان کے پیچھے اہم عالمی واقعات، جغرافیائی و سیاسی تبدیلیاں، خونی تنازعات، معاشی جنگیں، پابندیاں اور اہم تجارتی راستوں کی بندش جیسے اسباب کارفرما ہیں۔ یہ وہ تمام عوامل ہیں جنہوں نے وسطی ایشیا کی اسٹریٹجک اہمیت کو غیر معمولی حد تک بڑھا دیا ہے۔ بالفاظ دیگر، یہ خطہ اشیاء کی برآمدات کے لیے ایک بڑی منڈی اور قدرتی وسائل، خصوصاً نایاب معدنیات کے ایک اہم منبع، دونوں حیثیتوں سے نمایاں حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ چنانچہ، اسی صورتحال کے پیش نظر ”1+5“ سربراہی اجلاسوں کو اب سربراہان مملکت کی سطح تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اس طرح کے اجلاس ہر ملک سے فرداً فرداً بات چیت کرنے کے بجائے، خطے کی تمام ریاستوں کے ساتھ بیک وقت باہمی تعاون کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

اسی پس منظر میں، جنوبی کوریا نے بھی وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ اپنے باہمی تعاون کو ایک نئی سطح پر استوار کر لیا ہے۔ 16 ستمبر کو سیول میں ایک سربراہی اجلاس منعقد ہوا جس میں جنوبی کوریا کے صدر اور وسطی ایشیا کے پانچوں ممالک—کرغزستان، قازقستان، ازبکستان، ترکمانستان اور تاجکستان—کے قائدین شریک ہوئے۔ اس پیش رفت نے ”1+5“ سربراہی اجلاسوں کے سلسلے میں ایک نئی کڑی کا اضافہ کیا اور اس کا اختتام تین روز پر محیط دوطرفہ ملاقاتوں کے سلسلے کے ساتھ ہوا۔ ان کارروائیوں کے دوران توانائی، کان کنی، بنیادی ڈھانچے (انفراسٹرکچر)، ٹیکنالوجی اور سرمایہ کاری جیسے شعبوں میں 70 سے زائد معاہدوں اور مفاہمت کی یادداشتوں پر دستخط کیے گئے۔

بنیادی طور پر، یہ تعاون کوئی نئی پیش رفت نہیں ہے۔ کوریا-وسطی ایشیا تعاون فورم 2007 میں قائم ہوا تھا؛ ابتدا میں یہ نائب وزراء خارجہ کی سطح پر منعقد ہوتا تھا، جسے بعد میں وزارتی سطح تک اپ گریڈ کر دیا گیا۔ تاہم، سربراہان مملکت کی سطح پر اس نوعیت کا سربراہی اجلاس اس سے قبل کبھی منعقد نہیں ہوا تھا۔

متعدد عوامل جنوبی کوریا کو اس باہمی تعاون کو اس بلند سطح پر لانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان میں سر فہرست قدرتی وسائل ہیں؛ چونکہ ملک کے اپنے گھریلو وسائل انتہائی محدود ہیں، اس لیے وہ درآمدات پر انحصار کرتا ہے۔ عالمی جغرافیائی و سیاسی تبدیلیاں اور تنازعات ان وسائل کی ترسیلی زنجیروں (سپلائی چینز) کو متاثر کرتے ہیں، جس سے کئی خطرات اور خدشات جنم لیتے ہیں۔ چنانچہ قدرتی وسائل سے محروم یہ ملک تیل، یورینیم اور دیگر اسٹریٹجک طور پر اہم معدنیات کے ذرائع میں تنوع پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔

اس شعبے میں ایک اور تشویشناک پہلو چین کا کردار اور پوزیشن ہے۔ چین کی برتری محض معدنیات نکلانے تک محدود نہیں ہے، بلکہ نایاب معدنیات کی پروسیسنگ اور ان سے حاصل ہونے والی جدید ترین ہائی ٹیک مصنوعات کی تیاری تک پھیلی ہوئی ہے۔ فی الوقت دنیا بھر میں دریافت شدہ نایاب معدنیات کے تقریباً 38 سے 44 فیصد ذخائر چین کے پاس ہیں—جن کی مقدار لگ بھگ 4 کروڑ 40 لاکھ (44 ملین) ٹن بنتی ہے—اور وہ سالانہ عالمی پیداوار کے تقریباً 60 سے 70 فیصد کا احاطہ کرتا ہے۔ خام مال کی پروسیسنگ اور ریفائننگ کے میدان میں اس کی پوزیشن اور بھی زیادہ مضبوط ہے، جہاں نایاب معدنیات کی پروسیسنگ کی عالمی مارکیٹ کے 90 فیصد حصے پر اسی کا کنٹرول ہے۔

یہ صورتحال جنوبی کوریا سمیت دیگر اقوام کو چینی ٹیکنالوجی پر منحصر کر دیتی ہے—اور یہ ایک ایسا مؤثر حربہ ہے جسے چین اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے اثر و رسوخ قائم کرنے کی خاطر استعمال کر سکتا ہے۔

اس کی ایک عملی مثال دیکھی جا سکتی ہے: چنانچہ چین کے حریف ملک جاپان کو ایسی ہی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا؛ جب 2026 میں چین نے نایاب زمینی معدنیات کے سلسلے میں اس پر پابندیاں عائد کر دیں۔ تائیوان کے معاملے پر جاپان کا مؤقف، خاص طور پر اپنے دفاعی شعبے کو مضبوط بنانے کی اس کی کوششیں، ان محرکات میں شامل تھیں جنہوں نے چین کو یہ پابندیاں عائد کرنے پر اکسایا۔

نتیجتاً، سیول نے نایاب زمینی معدنیات سے متعلق چینی دباؤ کے سامنے جھکنے سے بچنے کے لیے متبادل ذرائع کی تلاش کو اولین ترجیح دینا شروع کر دیا ہے۔ خاص طور پر چین اور امریکہ کے درمیان جاری معاشی جنگ کے تناظر میں۔ امریکی دائرہ اثر میں جنوبی کوریا کی موجودگی کے باعث یہ خطرات مزید سنگین ہو جاتے ہیں۔

مزید یہ کہ یوکرین میں جنگ چھڑنے کے بعد سے وسطی ایشیا میں روس کا اثر و رسوخ زوال پذیر ہے، کیونکہ وہ فی الوقت اپنی توجہ، وسائل اور وقت کا بڑا حصہ اس تصادم پر مرکوز کیے ہوئے ہے۔ اس جنگ اور اس سے جڑی پابندیوں نے روس کی معیشت کو کمزور کر دیا ہے، جس کے باعث خطے میں اس کا اثر و رسوخ سکڑ کر رہ گیا ہے۔

اس کے جواب میں، مغربی ممالک اور ان کے اتحادی اس کوشش میں ہیں کہ طاقت کے اس پیدا ہونے والے خلا پر چین—یا کسی بھی دوسری ریاست—کو اجارہ داری قائم کرنے سے روکا جائے، اور ساتھ ہی وہ روسی اثر و رسوخ کو مزید محدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ”1+5“ فارمیٹ میں منعقد ہونے والے سربراہی اجلاس انہی مقاصد کے حصول کی حکمت عملی کا حصہ ہیں۔

لہذا، اس نوعیت کے سربراہی اجلاسوں کو محض معاشی زاویے سے دیکھنا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ ان کے پس پردہ جغرافیائی و سیاسی مقاصد کارفرما ہیں جن کا رشتہ بالآخر مغرب سے جا جڑتا ہے۔

خطے میں تاریخی طور پر غالب قوت کے حامل روس کی کمزوری کے پیش نظر، وسطی ایشیائی ریاستیں ایک کثیر جہتی خارجہ پالیسی کو آگے بڑھانے کے لیے ایسے سربراہی اجلاسوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے چین ہیں۔ وہ اپنے وسائل کے عوض ٹیکنالوجی اور سرمایہ کاری حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی امید رکھتی ہیں۔ خاص طور پر قازقستان اور ازبکستان صرف روس یا چین پر انحصار ختم کرنے کی سمت میں کام کر رہے ہیں اور دیگر ممالک کے ساتھ بھی اپنے تعاون کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وسطی ایشیائی ریاستیں تمام ”1+5“ سربراہی اجلاسوں میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

تاہم، مروجہ سرمایہ دارانہ نظام کے زیر سایہ ایک واقعی خود مختار اور آزادانہ پالیسی پر چلنا ناممکن ہے۔ ایک استعمار کی گرفت سے بچ نکلنے کا نتیجہ اکثر دوسرے کے شکنجے میں جا پھنسنے کی صورت میں ہی نکلتا ہے۔ بالفاظ دیگر، آپ خود پر اثر انداز ہونے والی قوت کی مصنوعات کے لیے اپنی مارکیٹیں کھول دیتے ہیں، اور عملاً اپنی معدنی دولت اپنے ہی ہاتھوں سے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔

استعمار اپنے اثر و رسوخ کو وسعت دینے کے لیے ان سربراہی اجلاسوں کا استحصال کرتے ہیں، اور بعض اوقات جنگ کے ذریعے اسے براہ راست مسلط کر دیتے ہیں۔ یوں استعمار کی حرص و لالچ پر مبنی پالیسیوں کی وجہ سے دنیا بھر میں جنگیں اور تنازعات پھوٹ پڑتے ہیں، جن کی قیمت عام انسانوں کو چکانی پڑتی ہے۔

چنانچہ حقیقی آزادی اور ترقی کا حصول مسلم سرزمینوں کے باہمی وحدت کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر الگ الگ ریاستیں منتشر رہیں—تنگ نظر قوم پرستی سے وابستہ رہیں اور صرف اپنے ہی مفادات کو ترجیح دیتی رہیں—تو وہ بدستور استعمار کا شکار بنتی رہیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم پرستی وحدت کی طرف جانے والی بدترین راہوں میں سے ایک ہے؛ بلکہ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو وحدت کی راہ میں واضح رکاوٹ ہے۔ حقیقی اور مکمل یکجہتی صرف اور صرف ایک درست اور جامع آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہی حاصل کی جا سکتی ہے: اور وہ اسلام کی عظیم آئیڈیالوجی ہے۔